مسلم ریاست میں غیر مسلموں سے حسن تعلق کی اسلامی ہدایات: ایک تجزیاتی مطالعہ

منزہ حیات*

Abstract

This article reviews a non-Muslim is citizen of a Muslim state whose life, property and honor is state's responsibility. There is an agreement and it is necessary to fulfill this agreement because when the Muslim state takes responsibility for the protection of their lives and property, it has to fulfill. The fundamental rights of non-Muslims are protected in a Muslim state. In a Muslim state non-Muslim citizen enjoys the same respect and dignity like a Muslim. The Muslim state is responsible for protecting the lives of non-Muslims. The principle of Islam is that if a non-Muslim man in such an area suffers loss of life and property, he will be given Diyat. It will be determined according to the circumstances and the nature of the matter. The Islamic State is responsible for protecting the lives of non-Muslims as well as their property. No Muslim can take undue advantage of their property. Just as the Muslim state is the guarantor of the honor of a Muslim, so is the duty to protect the honor of a non-Muslim citizen.

Keywords: Muslim State, Good Relations, Islamic Teachings, Non-Muslim, Analytical Study.

اسلام کے بین الاقوامی قانون کی بنیادیں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ہیں۔ دنیا کے قدیم رسم ورواج دشمن کو رحم کا حق دار قرار نہیں دیتے جبکہ اسلام کے بین الاقوامی قانون میں غیر مسلموں کے تحفظ کے لیے کئی قوانین موجود ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں معروف قاعدہ کلیہ ہے کہ ”المسلم والکافر فی مصاب الدنیا سواء“[1] ”مسلمان اور کافر دنیا کے معاملات میں برابر ہیں“ قرآن پاک میں حکم باری تعالیٰ ہے: وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ[2] ”اور اگر مشرکوں میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے دے دو“ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق اسلام کا بین الاقوامی قانون مسلمانوں کا وہ رویہ ہے جس کے وہ مذہبی اور قانونی طور پر غیر مسلموں سے تعامل

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

[1] حمید اللہ، ڈاکٹر، **عہد نبوی میں نظام حکمرانی**، (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۱ء)، ۷۵

[2] التوبہ: ٦

کے دوران پابند ہیں اور اس کی خلاف ورزی گناہ ہے۔[3] غیر مسلموں کی اقسام سے قبل دارالاسلام، دارالعہد اور دارالحرب کی فقہی اصطلاحات کی وضاحت درج ذیل ہے:

دارالاسلام:

اس سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں پر اسلامی احکامات اور شعائر نافذ ہوں۔ مسلمانوں کو مکمل امن، آزادی اور تحفظ حاصل ہو اور اس کا دفاع مسلمانوں پر فرض ہو۔[4]

دارالعہد:

اس کی مترادف دوسری اصطلاح دارالصلح ہے۔ یہ اصطلاح امام شافعی کی وضع کردہ ہے جس سے مراد غیر مسلموں کے وہ علاقے ہیں جو اپنی داخلی خود مختاری برقرار رکھنے کے ساتھ کسی اسلامی ریاست کی مجموعی بالادستی تسلیم کر کے اس کے ساتھ معاہدہ صلح میں شامل ہو گئے ہوں۔ امام شافعی کے مطابق یہ معاہدہ مسلم حدود انتظام یا دائرہ حکم کی توسیع کے حکم میں آتا ہے جس کے تحت شرائط جزیہ[5] کی تکمیل کے طور پر غیر مسلم علاقہ کی طرف سے اس کی زمینوں پر عائد ایک خاص رقم (خراج) مسلم ریاست کو ادا کی جاتی ہے۔[6] اس علاقہ پر مسلمانوں نے قبضہ تو نہیں کیا ہوتا کہ وہاں اسلامی دستور نافذ ہو، البتہ وہاں کے باشندوں نے کچھ شرائط وضوابط کے ساتھ مسلمانوں سے

---

[3] حمید اللہ، ڈاکٹر، **عہد نبوی میں نظام حکمرانی**، ۷۶

[4] وہبہ الزحیلی، ڈاکٹر، **آثار الحرب**، فی فقہ الاسلامی دراسۃ مقارنۃ، طبع دوم، ۱۹۲، ۱۳۱، ۸۵

[5] مسلمانوں پر جنگ فرض کی جاتی ہے اور غیر مسلم عوام کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے کیونکہ اگر مسلمان دین کی خاطر جنگ کریں تو غیر مسلموں کو اسلام کی خاطر جنگ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ ایک مسلمان جنگ کر کے اسلامی ملک اور اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے رہنے والے غیر مسلم عوام امن وامان سے رہتے ہیں جب کہ مسلمان اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا فوجی ضروریات کے تحت غیر مسلم عوام پر ایک ٹیکس لاگو کیا جاتا ہے جسے جزیہ کہتے ہیں۔ یہ جزیہ اسلام نے پہلی دفعہ متعارف نہیں کرایا بلکہ اسلام سے پہلے ایران اور روم میں بھی جو لوگ فوجی خدمت انجام نہیں دیتے تھے، انہیں ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ یہ چیز اسلام میں بھی آئی۔ غیر مسلم عوام بہت ہی کم ٹیکس دے کر، جو سال میں دس دن کی غذا کے برابر تھا، اسلامی ملک کی پوری حفاظتی قوتوں اور پولیس وغیرہ کی خدمات سے مستفید ہوتے رہتے اور جس وقت مسلمان اپنا سر کٹاتے یہ اپنی تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے دولت کماتے۔ (حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاولپور، (بہاولپور: اسلامیہ یونیورسٹی، ۱۹۸۱ء)، ۳۱۲

[6] شافعی، محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان، ابو عبداللہ: کتاب الام (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۰۶ھ)، ۴: ۱۰۳؛ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر ابو عبداللہ شمس الدین، **الاحکام اھل الذمۃ**، تحقیق صبحی صالح، (دار العلم للملایین، طبع ثانی)، ۲: ۴۵۷

معاہدہ کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے علاقوں میں پہلے سے رائج دستور اور قوانین کی پاسداری کی جائے گی یوں یہ علاقہ ان ممالک کی طرح ہوتا ہے جو معاہدات کی وجہ سے مکمل خود مختاری کے مالک نہیں ہوتے۔[7]

دارالحرب:

یہ دارالاسلام کی ضد ہے، اس مراد اصلاً وہ غیر مسلم علاقے یا ریاستیں ہیں جہاں اسلام کے دینی اور سیاسی احکام نافذ نہ ہوں یعنی غیر مسلموں کا اقتدار ہو اور جو مسلمانوں کے دشمن اور ان کی آزادی کے لیے خطرہ ہوں۔[8]

فقہ اسلامی میں غیر مسلم عوام تین طرح کی ہوتی ہے: ایک ذمیؒ دوسرے معاہد اور تیسرے مستامن:

۱۔ذمیؒ: جو ممالک مسلمانوں نے جنگ کے بعد فتح کیے اور اسلامی ریاست نے ان کے باشندوں کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ انہیں مذہبی آزادی عطا کی مفتوح ہونے کے باوجود ان کے قانونی حقوق متعین کیے، انہیں لازمی فوجی خدمات سے مبرّا کیا اصطلاح میں انہیں ذمیؒ کہا جاتا ہے۔ ان کے حقوق کے بدلے ان سے جزیہ لیا جاتا ہے۔

۲۔معاہد: وہ غیر مسلم ہیں جن کے علاقے جنگ کے ذریعے فتح نہیں ہوئے بلکہ وہ بعض شرائط کے ساتھ اسلامی ریاست میں شامل ہوگئے۔ یہ شرائط چونکہ ریاست کے بنیادی اصول اور اس کی سالمیت کے خلاف نہیں تھیں اس لیے ان کی بنیاد پر ان سے معاہدہ ہوگیا۔ جن شرائط کے تحت معاہدہ ہوا ان کی پابندی کی گئی۔

۳۔مستامن: ایسے تمام لوگ جو اجازت (پاسپورٹ یا ویزا) لے کر کسی دینی یا دنیاوی مقصد کے تحت عارضی قیام کے لیے دار الاسلام آئیں فقہی اصطلاح میں انہیں مستامن کہا جاتا ہے۔

ذیل میں مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی تفصیلی وضاحت دی جارہی ہے:

غیر مسلم شہریوں سے حسن تعلقات:

کسی بھی مسلم ملک کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے حوالہ سے ہمیں اہل ذمہ کے حقوق سے ہی استفادہ کرنا ہوگا۔ ذمہ کے معنی عہد، ضمانت، قابل احترام قول اور حق کے ہیں اسی سے لفظ ذمی یا اہل ذمہ ہے۔ ابن

---

[7] نجیب الارمنازی، ڈاکٹر، **الشرع الدولی فی الاسلام**، (مطبعۃ ابن زیدون، ۱۹۳۰ء)، ۵۰

[8] وہبہ زحیلی، ڈاکٹر، **بین الاقوامی تعلقات**، مترجم مولانا حکیم اللہ، (اسلام آباد: شریعۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء)، ۱۴۴

منظور افریقی لکھتے ہیں:"سمی اهل الذمة ذمة لدخولهم فی عهد المسلمین و امانهم"[9] "اہل ذمہ کو ذمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد و پیمان اور امان میں وہ داخل ہیں" اسی کے مادہ سے ذمام کا لفظ بنا ہے: الذمام کل حرمة تلزمك اذا ضیعتها المذمة و من ذلك یسمی اهل العهد اهل الذمہ[10] ذمام ہر محترم چیز کو کہا جاتا ہے کہ اسے تم ضائع کر دو تو قابل مذمت قرار پاؤ اسی وجہ سے اہل عہد کو اہل ذمہ کہا جاتا ہے۔ ان تعریفوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ذمی مسلم ریاست کا وہ غیر مسلم شہری ہے جس کی جان مال اور عزت کی حفاظت کا وہ اس سے عہد کرتی ہے، اسی بنیاد پر اس سے (جزیہ) متعین ٹیکس لیا جاتا ہے۔ یعنی مفتوحہ علاقوں کے ایسے افراد کو جو کسی اسلامی ملک کے شہری بن کر رہ رہے ہوں یا سیاسی طور پر مسلم اقتدار اعلیٰ کو مان چکے ہوں، اسے کتاب و سنت و فقہ اسلامی میں ذمی کہا جاتا ہے اور ان کے معاہدہ کو عقد ذمہ کہا جاتا ہے۔ وہ چونکہ مسلمانوں کی ذمہ داری اور پناہ میں ہوتے ہیں اس لیے انہیں اہل ذمہ کہا جاتا ہے۔

ذمیوں سے کیے گئے عہد کی اہمیت کا اندازہ عہد فاروقی میں حضرت عمرؓ (م ۲۴ھ) کی اس وصیت سے ہوتا ہے کہ قاتلانہ حملے کے بعد آپ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بعد بننے والے خلیفہ کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک ذمیوں کے متعلق تھی۔ آپ نے فرمایا: و اوصی الخلیفه من بعدی بذمة اللّٰه و ذمة رسول اللّٰهﷺ ان یوفیٰ لهم بعهدهم و ان یقاتل من ورائهم ولا یکلفوا فوق طاقتهم[11] "میں اپنے بعد میں ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو ذمہ دیا گیا ہے اس کی حفاظت کرے۔ ان سے کیے گئے معاہدے پورا کرے ان پر حملہ ہو تو ان کے دفاع میں جنگ کرے اور ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔" یہ وصیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلامی ریاست کا ذمیوں سے خدا اور رسول کے نام پر ایک معاہدہ ہوتا ہے اور اس معاہدہ کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ جب اسلامی ریاست ان کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری لیتی ہے تو وہ پھر اسے نبھانا ہوتی ہے۔

---

[9] ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، (بیروت: طبعہ جدیدہ دار صادر، ۱۹۸۶)، مادہ ذمم

[10] ایضاً،

[11] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ)، **کتاب المناقب**، باب قصۃ البیعۃ والتفاق علی عثمان الخ۔ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب، **کتاب الخراج**، (بیروت، دارالمعرفۃ والنشر، ۱۳۹۹ھ)، ۱۲۴

حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) مسلمانوں کے علاوہ اپنی غیر مسلم عوام کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ آپ نے ایک عامل عدی بن ارطاۃ کو لکھا: " فانظر الی اهل الذمة فارفق بهم ، واذا كبر رجل ليس له مال فانفق عليه ، فان كان حميم فمر حميمه ينفق عليه ، قاصه من جراحه .....الیٰ آخره "[12] " ذمیوں کا خیال رکھو ان کے ساتھ نرمی برتو، جو بوڑھا اور نادار ہو جائے تو اس پر مال خرچ کرو۔ اگر اس کا کوئی عزیز (صاحب حیثیت) ہو تو اسے اس کی کفالت کا حکم دو (ورنہ بیت المال سے اس کی کفالت کا انتظام کرو) اس کے زخم کا قصاص لو) یعنی جان کا تحفظ دو) جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے یا تو آزاد کرتے ہو یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرتے ہو۔"

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس ایک غیر مسلم شہری نے کسی مسلمان کے مقابلہ میں حق شفعہ کا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے تحقیق کے بعد اسی کے حق میں فیصلہ دیا۔ قیس بن خالد الحذاء بتاتے ہیں کہ " انه قضیٰ بذمی بشفعته "[13] "آپ نے ذمی کے حق میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا" امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں خلیفہ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے ذمیوں کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

و قد ينبغي يا اميرالمومنين ايدك الله ان تتقدم في الرفق باهل ذمة لنبيك و ابن عمك محمد ﷺ والتقدم لهم حتیٰ لا يظلموا و لا يؤذوا و لا تكلفوا فوق طاقتهم ولا يؤخذ شئی من اموالهم الا بحق يجب عليهم فقد روی عن رسول الله ﷺ انه قال من ظلم معاهداً او كلفه فوق طاقته فانا حجيجه يوم القيام[14]

" اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے آپ کو چاہیے کہ آپ ذمیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ آپ کی ذمہ داری ہیں۔ ان کے لیے آپ اچھے اقدامات کرتے رہیں یعنی نہ تو ان پر ظلم ہو اور نہ ان کو تکلیف دی جائے اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کسی کام کا بوجھ ڈالا جائے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ جو کسی معاہدہ کرنے والے کے ساتھ ظلم کرے گا یا ان پر طاقت سے

---

[12] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، **الطبقات الکبریٰ**، (بیروت: دار بیروت للطباعۃ والنشر، ۱۹۷۸ء)، ۵: ۳۸۰

[13] ایضاً، ۵: ۳۶۶

[14] ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ۷۸؛ ابو داؤد سجستانی، سلیمان بن اشعث، السنن، **کتاب الجهاد**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۴ء)

زیادہ ذمہ داری ڈالے گا میں قیامت کے دن اس کی طرف سے انصاف طلب کروں گا یا خود مستغیث بنوں گا۔" یہ بات آپ ﷺ نے خود مسلمان مظلوموں کے بارے میں بھی نہیں فرمائی کہ ان کی طرف سے میں ظالم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں استغاثہ پیش کروں گا لیکن ذمیّوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ ان پر مسلمانوں کے ہاتھوں کوئی زیادتی ہوئی تو میں ان کا مستغیث بنوں گا۔ اب جن کے وکیل نبی اکرم ہوں ان پر کوئی مسلمان ظلم ڈھانے کا تصوّر کیسے کر سکتا ہے۔ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جان کی حفاظت:

انسان کی سب سے پہلی ضرورت اس کی جان کی حفاظت اور زندگی کی ضمانت ہے۔ اسلام یہ ضمانت سب سے بڑھ کر اور اسی معیار کی دیتا ہے جس کی خود مسلمانوں کو حاصل ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں جان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا[15]

"ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جو کوئی کسی کو مار ڈالے، بغیر کسی جان کے بدلہ کے، یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے کسی کا بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا۔"

انسانی جان کی اسی عظمت و حرمت کے پیشِ نظر اسلام میں غیر مسلم شہری کی جان کو وہی احترام و عزت حاصل ہے جو کسی مسلمان کی جان کو ہو سکتی ہے۔ مسلم ریاست غیر مسلم کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اس کے علاوہ آخرت میں جو وعید سنائی گئی ہے کہ جو مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرے گا اسے جنت سے محروم ہونا پڑے گا، نہایت سخت ہے۔ اس بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة و ان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاماً[16] "جو کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے

---

[15] المائدہ: ۳۲

[16] بخاری، الصحیح، **کتاب الدیات**، باب من قتل ذمیاً بغیر جرم، حدیث: ۶۹۱۴

گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک موجود ہو گی " قرآنی قصاص بالکل واضح ہے: اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ[17]

"بے شک جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک کے بدلہ ناک اور کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔"

درج بالا آیت النفس بالنفس کو مدّ نظر رکھتے ہوئے صحابہ کرام میں حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود تابعین میں سے امام شعبی، ابراہیم نخعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا تو اسے بھی اس کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے اہل حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قصاص میں اسے بھی قتل کر دیا۔[18] حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) کی ایک روایت ہے: لا يقتل مسلم بكافر[19] "مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔"

علامہ خطابی اس قول کے ضمن میں فرماتے ہیں: "فيه البيان الوضح المسلم لا يقتل باحد من الكفار كان المقتول منهم ذمياً او معاهداً او مستامناً او ماكان"[20] اس میں واضح بیان ہے کہ مسلمان کسی بھی کافر کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا چاہے مقتول ذمی ہو یا معاہد ہو یا مستامن ہو یا کوئی اور ہو۔ اس قول کی بنیاد پر امام اوزاعی، ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، اور ابو ثور کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔[21] وہ حضرات جو ذمی کے خون کے قصاص کے قائل ہیں وہ حضرت علیؓ کے قول جس میں کافر کے بدلے مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا اس سے مراد ذمی نہیں بلکہ حربی کافر مراد لیتے ہیں۔ یہاں معاہد کے مقابلے میں کافر کا لفظ حربی کافر کے لیے آیا ہے کیونکہ جس سے جنگ

---

[17] المائدہ: ۴۵

[18] عبد الرزاق، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی، **المصنف**، تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی، (بیروت: المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۳ء)، ۱۰۱

[19] بخاری، الصحیح، **کتاب الدیات**، باب لا یقتل مسلم بکافر

[20] خطابی، احمد بن محمد، ابو سلیمان، **معالم السنن**، (حلب: المطبعۃ العلمیہ، ۱۹۳۲ء)، ۴: ۱۷

[21] ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، **المغنی فی الفقہ**، تحقیق عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، (القاہرہ: ۱۴۱۲ھ)، ۷: ۶۵۲

ہے اس کا خون ایک مسلمان یا ایک معاہد یا ایک ذمی کے خون کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حربی کا خون مباح ہوتا ہے جبکہ ذمی اسلامی ریاست کی حفاظت میں ہوتا ہے اس معاملے میں وہ مسلمان کے برابر ہے۔[22] اور اس کی تصدیق درج ذیل حضرت علیؓ کے قول اور ان کے دور کی ایک مثال سے ملتی ہے کہ یہ کافر لوگ جزیہ اس لیے دیتے ہیں کہ ان کی املاک بھی ہماری املاک کی طرح محفوظ ہوں گی اور ان کا خون بھی ہمارے خون کی طرح قابل احترام ہو گا۔[23] اسی سلسلہ میں طبرانی نے ایک روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک مسلمان لایا گیا جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ تحقیق سے اس پر الزام ثابت ہو گیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا بعد میں مقتول کے بھائی نے آکر کہا کہ میں نے قاتل کو معاف کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: شاید لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے اس نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل کے قتل ہونے سے میرا بھائی تو مجھے ملنے سے رہا اور ان لوگوں نے مجھے کچھ پیشکش کی ہے جو میں نے قبول کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا اس بات کا تمہیں اختیار حاصل ہے ورنہ ہم نے جن لوگوں کا ذمہ لیا ہے ان کا خون ہمارے خون کے برابر ہے اور ان کی دیت (خون بہا) ہماری دیت کے برابر ہے۔[24]

غیر مسلم کا قصاص و دیت (خون بہا رقم)

شریعت کا اصول ہے کہ اگر کسی ایسے علاقہ کی غیر مسلم آدمی کی جان و مال کا نقصان ہو گا تو اس کا قصاص لیا جائے گا یا اس کو دیت دی جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کا تعین حالات اور معاملہ کی نوعیت کے مطابق ہو گا۔ احناف کا کہنا ہے کہ مجرم سے قصاص لیا جائے گا۔[25] جب کہ دیگر فقہا (امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ وغیرہ) دیت کی ادائیگی کے قائل ہیں۔[26] لیکن جان و مال کے تحفظ پر سب کا اتفاق ہے۔ امام سرخسی نے لکھا ہے کہ عارضی جنگ بندی کی صورت میں بھی مسلمان غیر مسلموں کی جان و مال عزت و آبرو کے محافظ رہیں گے اور

---

[22] المرغینانی، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر، **الهدایہ شرح البدایہ**، (بیروت: ناشر دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)، ۴: ۵۵۹

[23] زیلعی، **نصب الرایہ**، ۳: ۳۸۱

[24] الشوکانی، محمد بن علی بن عبد اللہ، **نیل الاوطار، شرح منتقی الاخبار**، (مکتبہ نزار مصطفی الباز، ۲۰۰۱ء)، ۷: ۵۵

[25] عینی، بدر الدین، **عمدۃ القاری**، ۱۹: ۳۴۹

[26] العمری، جلال الدین سید، **غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق**، (علی گڑھ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، ۱۹۹۸ء)، ۲۲۶، بحوالہ قدامہ، **المغنی**، ۱۲: ۵۱

اس کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔[27] حضرت عبد اللہ بن عباس، امام شعبی، امام نخعی ، امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے مطابق مقتول چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کی دیت ایک ہو گی۔[28]

اسی طرح ایک غیر مسلم (ذمی) کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہو گی۔اس سلسلے میں ہدایہ میں لکھا ہوا ہے: دیۃ المسلم و الذمی سواء[29] "مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے" اس رائے کی دلیل قران پاک کی درج ذیل آیت ہے: وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ[30] "اگر مقتول کسی ایسی قوم کا فرد ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو پوری دیت دینا ہو گی" لہٰذا اس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جس قوم سے معاہدہ ہے اس کے مقتول کی اسی طرح پوری دیت ادا کی جائے گی جس طرح ایک مسلمان مقتول کی دی جاتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری[31] نے دو افراد کو قتل کر دیا۔ان افراد کا حضور ﷺ سے معاہدہ تھا تو آپ نے ان کی وہی دیت ادا کی جو مسلمانوں کی دیت ہے۔[32]

---

[27] السرخسی، محمد بن احمد، **المبسوط**، (بیروت: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۶ھ)، ۲: ۲۵۱

[28] القرطبی: محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۹۸۹ء)، ۵: ۲۱۰؛ المرغینانی، **الھدایہ**، ۴: ۵۸۲

[29] المرغینانی، **الھدایہ**، ۴: ۵۵۹

[30] النساء: ۹۲

[31] صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرے ساتھ اپنے چند لوگوں کو بھیجیں کہ وہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نجد کی طرف سے ڈر ہے (کیونکہ وہاں کے رئیس عامر بن طفیل نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان تین باتیں ہیں: بادیہ کے مالک تم بنو اور شہروں کا میں بنوں یا اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بناؤ ورنہ غطفان) ابو براء نے کہا میں ان کا ضامن ہوں۔تو آپ ﷺ نے ۷۰ انصار ساتھ کر دیئے۔ان لوگوں نے بئر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آپ ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔عامر نے حرام کو قتل کر دیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصیۃ، رعل، ذکوان سب کے پاس آدمی دوڑا دیئے کہ تیار ہو کر آئیں ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا صحابہ حرام کی واپسی کے منتظر تھے جب دیر ہو گئی تو خود روانہ ہوئے۔راستہ میں عامر کی فوج سے سامنا ہوا تو کفار نے ان کو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا صرف عمرو بن امیہ ضمری کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منّت مانی تھی، وہ میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔حضرت عمرو بن امیہ نے واپسی میں راستہ میں بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جنہیں رسول ﷺ امان دے چکے تھے لیکن عمرو بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا۔آپ ﷺ کو جب

امام زہری کی ایک روایت ہے: ان ابا بکر و عمر کان یجعلان دیة الیھودی و النصرانی اذا کان معاہدین دیة الحر المسلم [33] "حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ یہودی اور نصرانی کی دیت اگر وہ معاہد ہوتے تو آزاد مسلمان کی دیت کے برابر قرار دیتے تھے۔" حضرت علیؓ سے منقول ہے: ''دیة الیھودی و النصرانی و کل ذمی مثل دیة المسلم'' [34] "یہودی اور نصرانی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔"

امام شافعی کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی ایک تہائی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت کی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے" [35] امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہو گی۔ اس کی دلیل عمرو بن شعیب کی وہ روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: دیة المعاھد نصف دیة الحر [36] "معاہد کی دیت آزاد (مسلمان) کی دیت کے نصف ہے" ذمی کی دیت نصف اور پوری ہونے پر صحابہ کے دو طرح کے اقوال ملتے ہیں جو اوپر نقل کیے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک تیسری رائے کا ذکر بھی کیا جاتا ہے کہ اگر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم ہے تو بطور تعزیر اس میں اضافہ کر کے مسلمان کی دیت کے برابر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو عمداً قتل کر دیا تو حضرت عثمان نے اس سے قصاص لینے کی بجائے اس کی دیت میں اضافہ کر کے مسلمان کی دیت کے برابر اس پر دیت لازم کر دی۔ [37] گویا اسلامی حکومت حالات کے مطابق قانون سازی کر سکتی ہے۔

اس واقعہ کا پتہ چلا آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا، شبلی نعمانی، **سیرت النبی**، (لاہور: ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار، ۱۹۹۱ء)، ۱۲۳۶، بحوالہ ابن کثیر، **البدایة والنھایة**، ۴: ۸۹

[32] ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، **وھو الجامع الصحیح**، (بیروت: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، ۱۹۸۰ء)، **کتاب الدیات**، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر

[33] عبد الرزاق، **المصنف**، ۱۰: ۹۶

[34] ایضاً، ۱۰: ۹۷

[35] ابن قدامہ، **المغنی**، ۱۲: ۵۵

[36] ابو داؤد، السنن، **کتاب الدیات**، باب فی دیة الذمی، حدیث: ۳۹۶۹

[37] عبد الرزاق، **المصنف**، ۱۰: ۹۶

مال کی حفاظت:

غیر مسلموں کی جان کے ساتھ ساتھ ان کی ملکیت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر عائد ہے کوئی مسلمان ان کے مال، املاک، جائداد سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ چنانچہ جنگ خیبر (۷ھ) کے بعد[38] جب ایک یہودی نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ لوگ ہمارے جانور ذبح کر رہے ہیں، ہمارے پھل کھا رہے ہیں اور یہ کہ عورتوں کے ساتھ مار پیٹ ہو رہی ہے تو آپ ﷺ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور نماز کے بعد ایک خطبہ دیا: ان اللّٰہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل کتاب الا باذنھم و لا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم ما علیھم[39] "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کو حلال قرار نہیں دیا ہے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنے اور ان کے پھل کھانے کی اجازت دی ہے جبکہ وہ اپنے اوپر جو واجب ہے (ٹیکس) اسے تمہیں ادا کر رہے ہوں" یہی سبب ہے کہ اگر کہیں ذمی یا معاہد کا مال گرا ہوا ملے تو مسلمان کے لیے اس پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل ذمہ کی جان کی طرح ان کا مال بھی اسلامی حکومت میں محترم ہے۔ ذمیوں کو اپنی املاک پر مالکانہ تصرفات حاصل ہوں گے۔ ان کی ملکیت ورثاء کو منتقل ہو گی، انہیں اپنی املاک میں بیع، ہبہ، رہن وغیرہ کے تمام حقوق حاصل ہوں گے، اسلامی ریاست کو انہیں بے دخل کرنے کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ غیر مسلموں کے مال کی حفاظت کے ضمن میں تاریخ سے چند مثالیں دی جا رہی ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عملاً مسلمانوں نے ان سے کیسا سلوک روا رکھا۔

صعصہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ ہم لوگ جب اہل ذمہ کی بستیوں سے گزرتے ہیں تو ان کی چیزوں میں سے کبھی کوئی چیز لے لیتے ہیں انہوں نے پوچھا، بلا قیمت؟ میں نے کہا ہاں بلا قیمت، تو ابن عباس نے کہا، آخر تم لوگ اس بارے میں کیا سوچ کر ان کا مال لیتے ہو، میں نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی

---

[38] جنگ خیبر کی فتح کے بعد مفتوحہ زمین پر قبضہ کر لیا گیا تھا لیکن یہود کی اس درخواست پر کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے، ہم پیداوار کا نصف حصّہ ادا کریں گے یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ تقسیم کے وقت حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے وہ غلّہ کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصّہ چاہو لے لو۔ یہودی اس عدل پر حیران ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی اس میں حضور ﷺ کا خمس بھی تھا۔ (بلاذری، احمد بن یحییٰ ابو الحسن، **فتوح البلدان**، (بیروت: لبنان، ادارہ کتب العلمیہ، ۱۹۸۳ء)، ۲۷

[39] ابو داؤد، السنن، **کتاب الخراج والفی والامارہ**، باب فی تعشیر اہل الذمۃ۔

حرج نہیں ہے (یعنی معمولی بات ہے) تو انہوں نے فرمایا تم لوگ وہی بات کہتے ہو جو اہل کتاب کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے۔[40] لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ[41] "ہمارے لیے اُمیوں (غیر یہودی) کے حق کا کوئی گناہ نہیں، اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر الزام لگاتے ہیں" آیت میں امیین سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ان کا مال کھانا جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کا مال ہڑپ کرنے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی یہ سن کر فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا۔ زمانہ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے ہیں سوائے امانت کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی چاہے وہ کسی نیکوکار کی ہو یا بدکار کی۔[42]

چونکہ اہل ذمہ کی بستیاں دارالاسلام کے شہروں سے دور واقع تھیں اور ان میں مسلمان آباد نہیں تھے اور نہ ابھی اس زمانے میں حالات نے اتنی ترقی کی تھی کہ سرکاری عمال اور دوسرے مسلمانوں کے ٹھہرنے کے لیے ان علاقوں میں سرکاری طور پر کوئی انتظام ہو سکے اس لیے اکثر مقامات کے ذمیوں سے یہ قرارداد طے ہوئی کہ جو مسلمان ان کی بستیوں میں آئیں گے تو چوبیس گھنٹے کے لیے میزبانی اہل ذمہ کریں گے اگر بارش یا بیماری کی وجہ سے کسی کو اس سے زیادہ ٹھہرنا پڑے تو وہ اپنے مصارف پر ٹھہرے گا اور اس میزبانی کے سلسلہ میں پیٹ بھر کر روٹی اور اپنی سواری کے چارہ کے علاوہ کسی اور شے کے مطالبہ کا حق کسی کو نہ ہو گا۔ انا جعلنا الضیافة علی اہل السواد یوما و لیلا و ان حبسه مطر او مرض انفق من ماله ولا یتعدی من طعام او علف۔[43] اگرچہ کسی پہلو سے اس چیز کو ناجائز یا اہل ذمہ پر کوئی زیادتی قرار نہیں دیا جا سکتی لیکن اس کے باوجود اس بارے میں امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ ان سے کوئی چیز ان کی مرضی کے بغیر نہیں لی جا سکتی تو پوچھا گیا پھر یہ جو ان کے اُوپر مسلمانوں کی میزبانی کا بوجھ ڈالا گیا یہ کیا تھا؟ جواب دیا اس کے بدلہ میں کمی کی جاتی تھی۔ (یعنی جزیہ کے ٹیکس یا زمین کے خراج

---

[40] ابو عبید قاسم بن سلام، **کتاب الاموال**، مترجم عبد الرحمٰن طاہر سورتی، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۶ء)، ۱۴۹

[41] آل عمران: ۷۵

[42] قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف،، بحوالہ **ابن کثیر و فتح القدیر**، (شاہ فہد قرآن، کریم پرنٹنگ کمپلیکس)، ۱۵۵

[43] **ایضاً**، ۱۵۰

میں رعایت دی جاتی تھی) امام مالک کے الفاظ یہ ہیں :"لا ینال منهم شیئی الا بطیب انفسهم ،قیل فالضیافة التی کانت علیهم ؟ فقال کان یخفف عنهم لها"[44] مسلم ریاست چونکہ اپنی تمام عوام کے بنیادی حقوق کی ذمہ دار ہوتی ہے مالی امور میں یا قرض کے لین دین میں یا باقی امور زندگی میں مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا حتی کہ غیر مسلم شہریوں کی وہ اشیاء جو اسلام میں حرام ہیں کوئی انہیں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا ورنہ فقہ حنفی کے مطابق نقصان کی صورت میں تاوان دینا ہو گا۔ جیسا کہ شراب اور خنزیر اگر کسی مسلمان کے پاس ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان انہیں نقصان پہنچائے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں یہ چیزیں بے وقعت اور بے قیمت ہیں لیکن اگر یہ کسی ذمی کی ملکیت ہوں اور مسلمان انہیں نقصان پہنچائے تو اسے تاوان ادا کرنا ہو گا۔ اس لے کہ ذمی کے نزدیک وہ قیمتی ہیں جیسے مسلمانوں کے ہاں سرکہ یا بکری، قیمت والی اشیاء شمار ہوتی ہیں ایسے ہی ایک ذمی کے نزدیک شراب اور خنزیر کی حیثیت ہے۔ [45]

البتہ جس طرح دنیا کی کوئی ریاست بھی اپنی حدود کے اندر کسی ایسی چیز کو روا نہیں رکھ سکتی جو معاشرے کی اجتماعی زندگی کو ملک کے بنیادی اصولوں کے خلاف متاثر کرنے والی ہو۔ اسی طرح اسلامی ریاست اپنی حدود کے اندر کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ جواء یا سودی لین دین کا پیشہ کرے چاہے یہ کسی گروہ کے نزدیک جائز کام ہی ہو۔ کیونکہ یہ ملک کی اجتماعی زندگی کے اخلاقی اور معاشی نظام کو بگاڑنے والی چیزیں ہیں۔ بہر حال اسلامی ریاست ایک مسلمان کی طرح غیر مسلم شہری کی ملکیت کو بھی مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے تا کہ وہ مطمئن ہو کر اپنے تمام شہری و نجی امور سر انجام دے سکیں۔

عزت کی حفاظت:

جس طرح اسلامی ریاست کسی مسلمان کی عزت کی ضامن ہے اسی طرح غیر مسلم شہری کی عزت کی حفاظت بھی اس کا فرض ہے۔ فقہائے حنفیہ نے وضاحت سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ''ویجب کف الاذیٰ عنهو و تحرم غیبته کالمسلم''[46] "اور غیر مسلم شہری کو تکلیف دہ نقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے اور اس کی

---

[44] ایضاً،

[45] المرغینانی، **کتاب الہدایہ**، ۳: ۳٦۸

[46] ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، **رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار**، (کراچی: س۔ن)، ۳: ۲۷۳

غیبت کرنا اسی طرح حرام ہے جیسے کسی مسلمان کی غیبت کرنا" اسی طرح اگر کوئی شخص غیر مسلم شہری کو برا بھلا کہے گا تب بھی ایسا کرنے والے پر سزا لاگو ہو گی۔ فقہاء نے لکھا ہے: ان المسلم اذا سبّ الذمی یعزر بہ [47] "اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو گالی دے گا تو اسے سزا دی جائے گی" حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی غیر مسلم کو طنزاً کافر بھی کہا اور اس سے غیر مسلم کو تکلیف پہنچی تو بھی مسلمان گناہ گار ہو گا۔ علامہ قرافی نے ان کے ساتھ نیکی کرنے کی تعبیر یوں کی ہے: "والدعا لھم بالھدایۃ و ان یجعلوا من اھل السعادۃ ، و نصیحتھم فی جمیع امورھم ، فی دینھم و دنیاھم ،وحفظ غیبتھم اذا تعرض احد لاذیتھم وصون اموالھم و عیالھم واعراضھم"[48] "انہیں ہدایت کی دعوت دینا تاکہ وہ اہل سعادت میں شامل ہو جائیں اور ان کے تمام دینی اور دنیوی معاملات میں خیر خواہی کرنا نیکی میں شامل ہے اسی طرح اگر کوئی فرد انہیں اذیت پہنچانا چاہے تو غائبانہ طور پر ان کے اموال و عیال اور ان کی عزت کو تحفظ دینا بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کے برابر ہے ۔"البھوتی نے غیر مسلموں کو گالی دینے کے بارے میں لکھا ہے:"و اما من شتم ذمیاً او قذفہ فحقہ کحق المسلم فی ھذا"[49] " جہاں تک کسی ذمی کو گالی دینے یا تہمت لگانے کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں ان کا حق مسلمانوں کے برابر ہو گا۔ "

غیر مسلم مسلم ریاست کے اندر درس گاہوں، اسپتالوں اور رفاہ عامہ کے دوسرے تمام اداروں سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن مالی معاملات اور جرائم کی سزاؤں میں اسلامی قانون کی پابندی کرنا ہو گی۔ اپنے شخصی معاملات میں جیسے نکاح و طلاق، وراثت وغیرہ میں انہیں آزادی ہو گی اور یہ معاملات وہ اپنے مذہب کے مطابق سرانجام دیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پوچھنے پر حسن بصری نے کہا تھا: انہوں نے (ذمیوں نے) جزیہ دینا اسی لیے تو قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے آپ کا کام پچھلے طریقہ کی پیروی کرنا ہے نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔[50] نیز غیر مسلموں کو اپنے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام کرنے، مدارس

---

[47] السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین، **الاشباہ النظائر**، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، س۔ن)، ۵۰۹

[48] القرافی، احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن، شہاب الدین ابو العباس، **انوار البروق فی انواء الفروق**، (مطبعۃ دار احیا الکتب العربیہ ، ۱۲۴۶ھ)، ۳: ۱۶

[49] البھوتی، منصور بن یونس بن ادریس صلاح، **کشاف القناع عن متن الاقناع عالم**، (بیروت: الکتب، ۱۴۰۳ھ)، ۳: ۱۲۶

[50] سرخسی، **المبسوط**، ۵۸۷

قائم کرنے اور اپنے درمیان اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کرنے کی پوری آزادی ہو گی وہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے میں آزاد ہوں گے البتہ انہیں اسلام پر معاندانہ حملے کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

مذہبی فرائض و مراسم بجالانے کی آزادی:

اہل ذمہ اپنے مذہبی فرائض و مراسم بجالانے میں بالکل آزاد تھے اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جن شہروں میں ان کے فتح ہونے کے بعد حکومت نے ذمیوں کے قیام کو منظور کر لیا ان شہروں میں ان کے مذہبی حقوق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ ابو عبید نے بزور شمشیر فتح کیے ہوئے مقامات کی ایک لمبی فہرست کے بعد لکھا ہے: ''فهذا بلاد العنوة و قد اقرا اهلها فيها على مللهم و شرائعهم''[51] ''یہ سارے مقامات بزور شمشیر فتح ہوئے ہیں اور ان میں ان کے باشندوں کو ان کے مذہب و شریعت کی پوری آزادی کے ساتھ بسنے کی اجازت دی گئی'' اس آزادی پر اگر کوئی پابندی ہے تو صرف ان شہروں میں ہے جن کو خاص طور پر مسلمانوں نے بسایا ہو جن کو فتح کرنے کے بعد ان کے سابق باشندوں کے حوالہ کرنے کی بجائے حکومت نے اپنے مقاصد کے لیے خاص کر لیا ہو۔[52] ذمیوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی ہو گی یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اہل کتاب عورت سے شادی کرے تو اس کی مذہبی عبادت کے لیے وہ اسے گرجا جانے سے نہیں روک سکتا۔[53] حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں کسی مسلمان امیر نے ان کے گرجا کو اپنی ملکیت میں لینا چاہا تو ان لوگوں کی شکایت پر انہوں نے اسے واپس کرا دیا اور فرمایا کہ اگر اس طرح کے پندرہ گرجے بھی ہوں تو بھی تم کو ان پر کوئی حق نہیں۔ [54]

مسلم ریاست میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں قائم رہیں گی یا نہیں، قرآن کریم میں مسلمانوں کو جب قتال کی پہلی دفعہ اجازت دی گئی تو اس کی ضرورت اور حکمت ان الفاظ میں بیان کی گئی: وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ[55] ''اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہٹاتا تو خانقاہیں،

---

[51] ابو عبید، **کتاب الاموال**، ۱۴۹

[52] ایضاً،

[53] ابو یوسف، **فقہ السنۃ**، ۲: ۶۰۴

[54] بلاذری، **فتوح البلدان**، ۱۷۹

[55] الحج: ۴۰

گرجے، عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب گرا دیئے جاتے اور اللہ ضرور مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی مدد کرتے ہیں بے شک اللہ طاقت ور اور غالب ہے۔" اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظلم کے خاتمہ کے لیے قتال کی اجازت پہلے نبیوں ان کی امتوں کو بھی دی جاتی رہی ہے کیونکہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو یہ دنیا ظلم سے بھر جاتی اور عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں اور دنیا میں امن و سلامتی ختم ہو جاتی۔[56] گویا وہ ظلم و ستم جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تو زمین پر کوئی عبادت گاہ باقی نہیں رہے گی ،یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، خانقاہیں اور مسلمانوں کی مساجد سب مٹا دی جائیں گی۔[57]

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبادت گاہوں کو گرانا اسلام میں نہیں ہے۔وہ ان کے گرانے کا مخالف ہے بلکہ وہ دوسری عبادت گاہوں کی بھی اسی طرح حفاظت چاہتا ہے جس طرح مساجد کی حفاظت چاہتا ہے۔ لہٰذا کسی غیر مسلم علاقہ پر اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو وہاں غیر مسلموں کی موجود عمارتوں کو نہ صرف گرایا نہیں جائے گا بلکہ ان کی مرمت کی انہیں اجازت ہو گی اور ان کی از سر نو تعمیر بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں ان عبادت گاہوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کی تعمیر اسلامی فتوحات سے پہلے ہوئی تھی، جو ان کے بعد بھی صدیوں تک قائم رہیں۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باقی رکھی جائیں اور اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ وہ باقی رکھی گئیں اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں کسی بھی مفتوحہ علاقہ کے گرجا کو ختم نہیں کیا گیا۔[58] ابن عطیہ (مفسر قرآن) اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں: یہاں ان عبادت گاہوں کا ذکر ہے جن کے پاس قدیم زمانے سے آسمانی کتاب رہی ہے مجوس یا مشرکین کا ذکر نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان قوموں میں سے نہیں ہیں جن کی حمایت واجب ہو، صرف اہل شرائع ہی کے ہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے۔[59]

---

[56] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، منزہ حیات، سعید الرحمٰن، " غیر مسلموں کے بارے میں میں برصغیر کے فتاویٰ کا نقطۂ نظر (تیرہویں تا پندرہویں صدی عیسوی کا ایک مطالعہ)"(ملتان: پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، والیم: ۱۰، دسمبر، ۲۰۱۲ء)، ۱۱۵

[57] الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، **النکت والعیون**، بتفسیر الماوردی، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، س۔ن)، ۳: ۸۴

[58] ابو یوسف، **کتاب الخراج**، رتنگطب ۷ ۱۴ ۵

[59] قرطبی، **الجامع لاحکام القران**، ۱۴: ۱۷

فقہا کے درمیان یہ بحث ہوتی رہی ہے کہ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شہروں میں انہیں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بالخصوص ان شہروں میں جنہیں مسلمان اپنے مصالح اور ضروریات کے تحت آباد کریں۔ جیسے کوفہ اور بصرہ، اس لیے کہ ان شہروں کی حیثیت اسلام کے تہذیب مراکز کی ہے۔ البتہ قدیم شہروں میں ان کی جو عبادت گاہیں پہلے سے موجود ہیں وہ باقی رہیں گی جیسے بغداد میں روم کا گرجا گھر۔ دیہاتوں میں یا جن علاقوں میں ذمیوں کی آبادیاں ہیں وہاں وہ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں۔[60] اگر کسی علاقہ کے لوگوں کی مسلم ریاست سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ پورے علاقہ پر یا اس کے کسی ایک حصہ پر قبضہ ان کا رہے گا اور وہ خراج ادا کریں گے تو صلح کے مطابق زمین ان کی ہوگی اور اس میں وہ اپنی عبادت گاہیں، گرجے تعمیر کر سکتے ہیں۔[61] ان آراء کے پیچھے اپنے عہد کی سیاسی مصلحتیں بھی یقیناً ہوں گی لیکن یہ آراء مذہبی آزادی کے تصور سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتیں۔ اگر کسی علاقہ یا شہر کی حیثیت فوجی چھاؤنی کی ہے یا کچھ مخصوص سیاسی ضرویات کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے تو اس حوالہ سے تحفظات ناقابل فہم ہیں۔ آج کے دور میں جب کہ زیادہ تر آبادیاں مخلوط ہیں اور بڑے شہروں میں کئی مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے ہیں اگر ان کی کوئی بھی جماعت اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہے تو اس کی ممانعت قران مجید یا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔[62]

حساس امور میں غیر مسلموں سے تعاون:

غیر مسلموں سے جنگی خدمات لی جا سکتی ہیں یا نہیں اس بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں: ایک گروہ کی رائے میں مشرکین سے مدد لینا درست نہیں ہے اس میں امام احمد بھی شامل ہیں۔ وہ مسلم کی اس روایت کو دلیل بناتے ہیں کہ جس میں حضور ﷺ جب غزوہ بدر کے لیے جا رہے تھے تو ایک آدمی آپ سے ملا اس شخص کی بہادری کی بہت شہرت تھی۔ اس آدمی نے آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی اجازت چاہی آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انا لا نستعین بمشرك" ہم کسی مشرک سے مدد

[60] مرغینانی، **الہدایہ**، ۲: ۵۷۷

[61] ابن قدامہ، **المغنی**، ۳: ۲۴۰

[62] زیلعی، **نصب الرایہ**، ۳: ۴۵۳

حاصل نہیں کرتے" کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ آدمی دوبارہ آپ کے پاس آیا لیکن آپ نے جب وہی اپنا سوال دہرایا تو اس کے انکار کرنے پر اسے واپس کر دیا۔ تیسری دفعہ وہ پھر آ کر حضور سے ملا اور اب کی بار اس نے خدا اور رسول پر ایمان لانے کا اقرار کیا تو آپ نے اسے اپنے ساتھ غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی۔[63] دوسری طرف ہمیں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن میں حضور ﷺ نے کئی دفعہ نازک حالات میں غیر مسلموں کی خدمات حاصل کیں۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے لگے تھے تو راستہ کی راہنمائی کے لیے بنو الدیل (قبیلہ) کے ایک آدمی عبد اللہ بن اریقط کی خدمات اجرت پر حاصل کیں جو کافر تھا۔ اس نے جاہلیت کے طریقہ کے مطابق قسم کھائی (عہد جاہلیت میں ہاتھ کو خون یا زعفرانی رنگ یا اسی قسم کی کسی چیز میں ملوث کر کے قسم پکی کی جاتی تھی۔)[64] کہ وہ اس سفر کے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گا اس پر حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر نے اعتماد کرتے ہوئے اپنی اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں اور تین دن بعد جب مکہ میں آپ کی تلاش کا ہنگامہ ٹھنڈا پڑ گیا تو وہ اونٹنیاں لے کر غار ثور کے پاس پہنچا اور آپ دونوں کو لے کر مدینہ پہنچا۔[65] اس حدیث کے ضمن میں علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین اگر وفادار اور با اعتماد ہوں تو ان پر اپنے راز اور مال کے معاملہ میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ مشرکین گو آپ کے دشمن تھے لیکن ان میں سے کچھ افراد دین ابراہیمی کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے عہد و پیمان کے پکے تھے۔ اس آدمی میں جب آپ ﷺ نے اخلاق و مروت دیکھی تو سفر ہجرت کے خفیہ پروگرام میں اس پر اعتماد کیا۔[66]

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ سخت مخالف ماحول میں بھی ضرورت پڑنے پر قابل اعتماد غیر مسلم افراد کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ گو اس واقعہ کا تعلق جنگ سے نہیں لیکن اس سے جنگی تعاون میں استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ بنیادی اہمیت رازداری اور اعتماد کی ہے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ حالات کے لحاظ سے اسے جائز سمجھتے ہیں۔ جن آئمہ نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلم ریاست کا سربراہ دو شرائط

---

[63] مسلم، ابو الحسین بن الحجاج بن مسلم قشیری، **الصحیح**، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س۔ن)، **کتاب الجہاد والسیر**، باب کراہۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر

[64] ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، **فتح الباری شرح الصحیح البخاری**، (ریاض: دار السلام، ۲۰۰۰)، ۲: ۲۲۷

[65] بخاری، الصحیح، **کتاب مناقب الانصار**، باب ہجرۃ النبی والصحابہ الی المدینہ

[66] عینی، بدر الدین، **عمدۃ القاری**، ا: ۱۴۷

کے ساتھ غیر مسلموں کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے سکتا ہے ایک یہ کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو اور ان سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ جن سے مدد لی جائے وہ قابل اعتماد ہوں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کی روایت ہے کہ آپ نے جب ایک یا دو مشرکوں کی جنگ میں شرکت کی پیشکش کو رد کیا اس کا تعلق جنگ بدر سے ہے۔ لیکن غزوہ بدر کے پانچ سال بعد آپ نے غزوہ خیبر (۷ھ) کے موقع پر بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی اور غزوہ حنین (۸ھ) میں صفوان بن امیہ جو اس وقت مشرک تھے، سے مدد حاصل کی۔ غزوہ حنین کا واقعہ کہ جب آپ ﷺ کو قبیلہ ہوازن کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی مقابلہ کی تیاری کرنا شروع کر دی۔ اسی دوران آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ صفوان بن امیہ جو اس وقت مشرک تھے، کے پاس کافی ہتھیار ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک سفیر کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ ہمیں اپنے ہتھیار عاریتاً دے دیں تاکہ جنگ میں ان سے فائدہ اٹھا سکیں اس نے کہا کہ یہ ہتھیار غصب تو نہ کر لیے جائیں گے؟ سفیر نے آپ ﷺ کی طرف سے یہ اطمینان دلایا کہ یہ صرف عاریتاً لیے جا رہے ہیں اور اس کی کمی کی تلافی ہو گی۔ تو اس نے مطمئن ہونے پر سو زرہیں اور مناسب ہتھیار دے دیئے بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی درخواست پر اس نے ان کے پہنچوانے کا بھی انتظام کیا۔[67]

غزوہ بدر میں جب آپ نے اس مشرک کو ساتھ نہیں لیا تھا تو اس بارے میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ کسی مشرک کو جنگ میں لے جانے اور نہ لے جانے کا اختیار آپ ﷺ کے پاس تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ساتھ نہیں لیا جبکہ دوسری دفعہ لے لیا اور یہ اختیار تو آپ کو مسلمانوں کے سلسلہ میں بھی حاصل تھا کسی مسلمان کو جنگ میں ساتھ نہ لے جانا چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے لہٰذا یہ دونوں روایات ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ آپ ﷺ انہیں مشرک ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں لے گئے۔ اگر ایسا ہے تو پھر بعد کے واقعات کو ناسخ سمجھا جائے گا، جن میں آپ نے ان سے مدد لی تھی۔ غزوہ بدر میں جس مشرک کو آپ ﷺ نے لوٹایا ممکن ہے کہ آپ کو اس روّیہ سے اس کے اسلام لانے کی توقع ہو بہر کیف امام کو یہ حق حاصل ہے کہ مصلحت کے پیش نظر وہ کسی کو جنگ میں شریک ہونے سے روک دے۔[68]

---

[67] ابن ہشام، محمد بن عبد الملک، **السیرۃ النبویۃ**، (بیروت: دار الجیل، س۔ن)، ۴: ۶۸

[68] زیلعی، **نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ**، ۳: ۴۲۴

چونکہ کئی روایات ایسی ملتی ہیں جس میں حضور پاک نے مشرکین کی مدد لی ہے تو ہو سکتا ہے کہ درج بالا واقعہ میں یہ بات خاص اس شخص سے متعلق ہو یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اسے جاسوس خیال فرمایا ہو اور آپ ﷺ کے انکار کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اس جیسے آدمی سے مدد نہیں لیتے۔[69]

سماجی امور میں غیر مسلموں سے استفادہ:

غیر مسلموں کے ساتھ فراخ چشمی اور رواداری حضور ﷺ کے وسیع طرز عمل میں پوشیدہ تھی۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی حضور کے پاس آئے وہ ایرانی نژاد ہونے کی وجہ سے عربی زبان میں جیسی کہ چاہیے تھی گفتگو نہیں کر سکتے تھے تو تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ: طلب النبی ﷺ ترجمانا و کان فی المدینة یہودی عارفا بالعربي و الفارسی[70] "حضور نے ایک یہودی کو ترجمان کے طور پر مدینہ میں تلاش کیا جو عربی اور فارسی زبان سے واقف تھا۔" اسی طرح کے واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شارح بخاری ابن بطال کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے: الفقہاء یجیزون استیجارھم عند الضرورة وغیرھا[71] "علمائے اسلام نے غیر مسلم لوگوں کی خدمات سے معاوضہ دے کر کام لینے کی عام اجازت دی ہے، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو "یعنی اس کام کے انجام دینے کے لیے مسلمان آدمی مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو ہر حال میں مسلمانوں کو اجازت ہے کہ غیر مسلم اقوام کے افراد سے اس قسم کا معاملہ کر سکتے ہیں۔

۲ھ میں جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو مکّہ والوں نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا اور چاہا کہ وہاں جو مسلمان مہاجرین رہ رہے ہیں انہیں نئے نجاشی سے کسی طرح واپس حاصل کر لیں اور انہیں پہلے کی طرح تکالیف پہنچائیں۔ جب اس بات کی خبر حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان کی حفاظت کے لیے اسے آمادہ کرے۔ حالانکہ عمرو بن امیہ ضمری اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[72] غیر مسلم ڈاکٹروں سے طبّی امداد حاصل کرنے کا براہ راست نمونہ خود حضور پاک کے دور میں موجود تھا۔ عرب کا مشہور ڈاکٹر حارث بن کلدہ تھا اور وہ طائف کا رہنے والا تھا۔ ابن ابی حاتم کے

---

[69] الجصاص، ابو بکر احمد، **احکام القرآن**، (بیروت: دار الفکر، س۔ن)، ۲: ۵۴۴

[70] باقری، حسین بن محمد دیار، قاضی، **التاریخ الخمیس فی احوال النفس النفیس**، (قاہرہ: دار الکتب، ۱۹۸۵ء)، ۱: ۳۲۵

[71] سلیمان ندوی، آرٹیکل مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم اقوام، (معارف نمبر ۵، نومبر ۱۹۵۰ء)، ٦٦: ۳۴۰؛ بحوالہ حاشیہ بخاری

[72] حمید اللہ، ڈاکٹر، **خطبات بہاولپور**، ۳۱۲

حوالہ سے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے: لا یصح اسلامہ[73] "حارث کے مسلمان ہونے کی خبر درست نہیں ہے۔" حارث نے کافی لمبی عمر پائی۔ آزادی کے ساتھ باوجود غیر مسلم ہونے کے عرب کی سرزمین اور اس کے شہر طائف میں بلکہ ایام حج میں مکہ پہنچ کر علاج و معالجہ کا کام اس نے جاری رکھا۔ کیونکہ حدیث کی مستند کتابوں میں درج ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ مکہ آئے تو اتفاقاً بیمار ہو گئے۔ اس پر حضور ﷺ نے سعد کو مشورہ دیا کہا کہ ایت الحارث بن کلدہ اخا ثقیف فانه متطبب[74] "ثقیف قبیلہ والے حارث بن کلدہ کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ معالج ہے" اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج و معالجہ کا جو تعلق مسلمانوں نے آئندہ مسلسل قائم رکھا اس میں خود حضور ﷺ کے اس طرز عمل کو دخل تھا جو حارث کے ساتھ قائم کر کے صحابہ کو آپ نے دکھایا تھا۔[75]

فتوحات ایران کے سلسلہ میں ایک معرکہ کے دوران حضرت عمر کے سپہ سالار فوج مثنیٰ بن حارثہ نے مشہور عیسائی قبیلہ بنی تغلب کے دو آدمیوں انس بن ہلال نمری اور ابن مدی الفہر یالتغلبی کو جو مذہباً عیسائی تھے، بلایا اور ان سے کہا کہ اگرچہ تم ہمارے دین پر نہیں ہو لیکن بہر حال عرب (ہمارے ہم وطن) ہو اس لیے تم دونوں میرے ساتھ رہنا اور جب میں ایرانی سپہ سالار مہران پر حملہ کروں تو میری مدد کرنا۔ چنانچہ مہران کو قتل کرنے والا عیسائی قبیلہ بنی تغلب کا ایک آدمی تھا اس معرکہ میں مثنیٰ کے بھائی مسعود نے شہادت پائی اور اسی میں انس بن ہلال نمری بھی مارا گیا۔ معرکہ کے ختم ہونے پر مثنٰی نے اپنے بھائی مسعود کی لاش کو سینے سے لگایا اور انس بن ہلال کی لاش کو بھی سینہ سے لگایا اور دونوں کا برابر ماتم کیا۔[76] مصر میں بنیامین قبطیوں کا ایک بڑا لیڈر تھا۔ جب حضرت عمر کو اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ اسے اپنی قوم کے اندر بڑا اعتماد حاصل ہے تو انہوں نے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ انتظام ملک میں اس سے مشورہ لیا جائے۔ چنانچہ عمرو بن العاص نے بنیامین کو قبطیوں کے سارے پرسنل لاء کا ذمہ دار بنا دیا۔[77] ان سے اور اس طرح کی دوسری مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس بارے میں اسلامی حکومت

---

[73] ابن حجر عسقلانی، **الاصابہ فی تمیز الصحابہ**، ۱: ۳۰۲

[74] مسلم، **الصحیح**، ۹: ۴۶۸، حدیث: ۳۳۳۷

[75] سلیمان ندوی، آرٹیکل مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم اقوام، (معارف نمبر ۵، نومبر ۱۹۵۰ء)، ۶۶: ۳۴۰

[76] ہیکل، محمد حسین، **الفاروق**، ۱۲۲

[77] **ایضاً**، ۱۷۲

نے دو باتیں سامنے رکھی ہیں اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جنہیں دنیا کی کوئی حکومت بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ ایک یہ کہ غیر مسلم اپنے طرز عمل سے اپنے آپ کو اعتماد کے لائق ثابت کریں اور اسلامی حکومت کے ساتھ ان کی وفاداری غیر مشتبہ ہو۔ جن غیر مسلموں نے اپنے آپ کو اعتماد کے لائق ثابت کیا ان پر صرف اس بات کی وجہ سے کہ وہ غیر مسلم ہیں، نہ تو حضور ﷺ نے اعتماد کرنے سے انکار فرمایا اور نہ ہی خلفائے راشدین نے ایسا کیا۔ بنی خزاعہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ و کانت خزاعة عیبة رسول اللہ ﷺ مشرکھا و مسلمھا[78] "قبیلہ بنی خزاعہ کے مشرک اور مسلم سب رسول اللہ کے معتمد تھے۔" چنانچہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور بعض اوقات نہایت اہم جنگی اور سیاسی فرائض ان لوگوں کے سپُرد فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت بنی خزاعہ کے مسلم اور غیر مسلم سب حضور کے لشکر میں شریک تھے بلکہ مکہ پر حملہ حضور نے درحقیقت انہی لوگوں پر حملہ کا بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔[79]

غیر مسلموں سے تجارتی تعلقات:

افراد، معاشروں اور ریاستوں کے باہمی تجارتی تعلقات انسانی معاشروں کی ضرورت رہی ہے اور روایت بھی اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ اور دوطرفہ بیرونی تجارت کا نظام قائم کرنے کے لیے تجارتی معاہدہ کرنا اسلام میں جائز ہے۔ کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات اس طرح قائم ہوں کہ آزادانہ تجارت ہو اور ضروری اشیاء کی فراہمی ممکن ہو۔ حضور ﷺ نے قریش کی ذیلی شاخوں کے درمیان طے پانے والے حلف کو قصی بن کلاب[80] کی وفات کے بعد برقرار رکھا۔ قریش قصی بن کلاب کو اشیائے خوردونوش مہیا کرتے، جس

---

[78] ابن ہشام، **السیرۃ النبویہ**، ۴۶۱

[79] ایضاً،

[80] قصی بن کلاب قریش کا سردار تھا۔ اس نے دارالمشورہ قائم کیا جس کا نام "دارالندوہ" رکھا گیا۔ قریش کو جب بھی کوئی جنگ یا اہم امور پر بات کرنا ہوتی تو یہیں کرتے۔ سقایہ (حاجیوں کو آب زم زم پلانا) اور رفادہ (حاجیوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرنا) جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا۔ قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب انہی کو ملا۔ چنانچہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ قصی نے خاندان کو جمع کر کے مکہ کے آس پاس بسایا اس لیے انہیں قریش کہتے ہیں کیونکہ قریش کے معنی جمع کرنا کے ہیں۔ قصی کی چھ اولاد میں سے ایک عبد مناف تھے۔ قصی کے بعد قریش کی سرداری عبد مناف نے حاصل کی، عبد مناف کے چھ بیٹے تھے، جن میں سے ایک ہاشم تھے حضور ﷺ بنی ہاشم میں سے تھے، ابن سعد، **طبقات**، ۱: ۳۶

سے وہ حاجیوں کے لیے کھانا تیار کرواتے اس معاہدہ کا مقصد حاجیوں کی خدمت کی ذمہ داریاں تقسیم کرنا تھا۔ اس طرح کہ کسی قبیلہ کے ذمہ پانی پلانا ہو، کسی کے پاس جھنڈا ہو اور کوئی مشاورت کا اہتمام کرے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس معاہدہ کو برقرار رکھا اور فرمایا کہ دور جاہلیت میں کیے گئے اس عہد کو اسلام نے مزید مستحکم کیا ہے۔[81] یعنی اسلام بھلائی کے کاموں، حاجیوں کو سہولیات فراہم کرنا اور حق و سچائی کے لیے کئے گئے عہد کو مزید پختہ کرتا ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ کی عمدہ کھجوریں "عجوہ" ابو سفیان کے پاس بھیجیں اور معاوضہ کے طور پر چمڑا طلب کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق یہ چمڑا طائف کا تھا۔[82]

مدینہ کے یہود سے مسلمانوں کے تعلقات اگرچہ زیادہ دیر تک اچھے نہیں رہے، بایں ہمہ یہودی مسلمانوں کے بازاروں میں اپنا مال و متاع لایا کرتے تھے۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں تھی کسی بھی شخص کو کبھی مسلمانوں کے ساتھ کاروبار کرنے یا ان کے بازار میں بیٹھنے سے نہیں روکا گیا۔[83] بعد ازاں بھی مسلم و غیر مسلم تجارتی تعلقات نہ صرف قائم رہے بلکہ فروغ پذیر رہے چنانچہ ماضی میں عربوں اور اہل یورپ کے درمیان کئی تجارتی معاہدات ہو چکے ہیں جن میں سے ایک معاہدہ ۱۵۰۸ میں ہوا تھا۔ یہ معاہدہ مراکش کے شہر بادیس کے امیر اور وینس (بندقیہ) کے باشندوں کے درمیان ہوا تھا جس کے تحت وینس والوں کو بادیس میں ٹھہرنے اور کاروبار کرنے کے اجازت دی گئی اور وہاں ان کی جان و مال کو تحفظ دیا گیا۔[84] مسلم حکومتوں نے تاجروں کو کافی رعایتیں دی ہوئی تھیں۔ مشرقی ایشیا اور افریقہ میں تجارت اور کاروبار بھی اسلام کی اشاعت کا ایک سبب تھا۔ البتہ بعض اشیاء کے تجارتی لین دین پر پابندیاں عائد تھیں تاکہ اسلحہ اور جنگی وسائل کو اسلامی ملک سے باہر نہ لے جایا جاسکے۔ شراب، خنزیر اور دیگر ناجائز اشیاء کی درآمد پر پابندی تھی خواہ یہ کاروبار کرنے والے مسلمان ہوتے یا غیر مسلم ہوتے۔ ان اشیاء کے علاوہ اور دیگر اشیاء جیسے اشیائے خوردونوش، لباس، کپڑا، لکڑی، غیر معدنیاتی خام مال یا کیمیائی مواد، زرعی اشیاء یا غیر جنگی صنعتی اشیاء، ان سب کے تبادلہ اور کاروبار کی اجازت تھی اور یہ اجازت دوران جنگ بھی برقرار رہتی۔

---

[81] ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، ابو الفداء، **البدایہ و النہایہ**، مترجم چوہدری طارق اقبال سلیم ،(کراچی: نفیس اکیڈمی، اردو بازار، س۔ن)، ۲: ۲۹۱

[82] حمید اللہ، ڈاکٹر، **عہد نبوی میں نظام حکمرانی**، ۲۵۸

[83] محمود احمد غازی، **محاضرات سیرت**، ۴۳۳

[84] ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ۱۸۸

نتائج تحقیق:

۱۔ ذمی مسلم ریاست کا وہ غیر مسلم شہری ہے جس کی جان مال اور عزت کی حفاظت کا وہ اس سے عہد کرتی ہے، اسی بنیاد پر اس سے (جزیہ) متعین ٹیکس لیا جاتا ہے۔

۲۔ مسلم ریاست کا ذمیوں سے خدا اور رسول کے نام پر ایک معاہدہ ہوتا ہے اور اس معاہدہ کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ جب مسلم ریاست ان کے جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری لیتی ہے تو وہ پھر اسے نبھانا ہوتی ہے۔

۳۔ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ انسانی جان کی اسی عظمت وحرمت کے پیش نظر اسلام میں غیر مسلم شہری کی جان کو وہی احترام وعزت حاصل ہے جو کسی مسلمان کی جان کو ہو سکتی ہے۔

۴۔ شریعت کا اصول ہے کہ اگر کسی ایسے علاقہ کی غیر مسلم آدمی کی جان ومال کا نقصان ہو گا تو اس کا قصاص لیا جائے گا یا اس کو دیت دی جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کا تعین حالات اور معاملہ کی نوعیت کے مطابق ہو گا۔

۵۔ غیر مسلموں کی جان کے ساتھ ساتھ ان کی ملکیت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مسلم ریاست پر عائد ہے کوئی مسلمان ان کے مال، املاک، جائداد سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

۶۔ جزیہ صرف ایسے مردوں پر عائد ہو تا تھا جو لڑائی کرنے کے قابل ہوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، معذوروں، راہبوں، عبادت گاہوں کے خادموں، مستقل مریضوں اور غلاموں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔

۷۔ غیر مسلم مسلم ریاست کے اندر درس گاہوں، اسپتالوں اور رفاہ عامہ کے دوسرے تمام اداروں سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن مالی معاملات اور جرائم کی سزاؤں میں اسلامی قانون کی پابندی کرنا ہو گی۔ اپنے شخصی معاملات میں جیسے نکاح وطلاق، وراثت وغیرہ میں انہیں آزادی ہو گی اور یہ معاملات وہ اپنے مذہب کے مطابق سرانجام دیں گے۔

۸۔ غیر مسلموں کو اپنے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام کرنے، مدارس قائم کرنے اور اپنے درمیان اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کا اہتمام کرنے کی پوری آزادی ہو گی۔ البتہ انہیں اسلام پر معاندانہ حملے کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۹۔ عبادت گاہوں کو گرانا اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ایک ظالمانہ فعل ہے۔ لہٰذا کسی غیر مسلم علاقہ پر اگر مسلم حکومت قائم ہو تو وہاں غیر مسلموں کی موجود عمارتوں کو نہ صرف گرایا نہیں جائے گا بلکہ ان کی مرمت کی انہیں اجازت ہو گی اور ضرورت پڑنے پر وہ ان کی از سر نو تعمیر بھی کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ سخت مخالف ماحول میں بھی ضرورت پڑنے پر قابل اعتماد غیر مسلم افراد کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔